کتب سماوی پر ایک نظر

از جناب ذوقی شاہ صاحب

(۲)

توریت اور عہد عتیق کے دیگر صحف انبیاء کا اپنی اصلی اور ابتدائی صورتوں میں نہ رہنا تو واقعات مندرجہ مضمون ماقبل سے بخوبی روشن ہے۔ اطمینان مزید کے لئے آؤ ذرا ان کتابوں کے اندرونی نقشوں پر بھی نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ان کی اندرونی شہادت کس جانب اشارہ کرتی ہے۔

کتب عہد عتیق کے اجزائے ترکیبی موجودہ مروجہ عہد عتیق میں جو انتالیس (۳۹) کتابیں شامل ہیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) پیدایش یا تکوین۔ (۲) خروج۔ (۳) احبار۔ (۴) گنتی یا اعداد۔ (۵) استثنا ریا توریت مثنیٰ۔ (۶) یشوع یا یوشع۔ (۷) قاضیون یا قضاۃ۔ (۸) روت یا رعوت (۹) سموئیل اول یا صموئیل اول۔ (۱۰) سموئیل دوم یا صموئیل دوم۔ (۱۱) سلاطین اول یا ملوک اول۔ (۱۲) سلاطین دوم یا ملوک دوم۔ (۱۳) تواریخ اول یا ملوک اول۔ (۱۴) تواریخ دوم یا ملوک دوم۔ (۱۵) عزرا۔ (۱۶) نحمیاہ (۱۷) آستر یا اشتیر۔ (۱۸) ایوب (۱۹) زبور۔ (۲۰) امثال سلیمان۔ (۲۱) واعظ۔ (۲۲) غزل الغزلات (۲۳) یشعیاہ۔ (۲۴) یرمیاہ۔ (۲۵) نوحۂ یرمیاہ۔ (۲۶) حزقی ایل یا حزقیل۔ (۲۷) دانیال۔ (۲۸) ہوسیع۔ (۲۹) یوئیل۔ (۳۰) عاموس یا عموس۔ (۳۱) عبدیاہ۔ (۳۲) یونہ۔ (۳۳) میکہ یا میکاہ۔ (۳۴) ناحوم۔ (۳۵) حبقوق۔ (۳۶) صفنیاہ۔ (۳۷) حجی۔ (۳۸) ذکریاہ۔ (۳۹) ملاکی۔

علاوہ کتب مندرجہ بالا کے سترہ (۱۷) کتابیں ایسی ہیں جو ایک زمانہ میں موجود تھیں اور اب ناپید ہیں مگر انکا ذکر اور اُن کے حوالے عہد عتیق کے موجودہ مجموعہ میں اب بھی موجود ہیں اور کوئی شخص ان کے صحیح اور معتبر ہونے سے اور اس بات سے کہ وہ ایک زمانہ میں موجود تھیں انکار نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ان کتابوں کے نام معہ اُن آیات کے حوالوں کے جن میں اُن کا ذکر آیا ہے ذیل میں درج ہیں

نمبر	نام کتب گم شدہ	حوالجات عہد عتیق موجودہ
۱	کتاب عہد نامہ موسیٰ	خروج۔ باب ۲۴۔ آیہ ۷۔
۲	جنگ نامہ خداوند۔	گنتی۔ باب ۲۱۔ آیہ ۱۴۔
۳	کتاب الیاشر	سموئیل دوم باب ۱۔ آیہ ۱۸۔ اور یشوع۔ باب ۱۰۔ آیہ ۱۳
۴۔	کتاب یاہو بن حنانی	تواریخ دوم۔ باب ۲۰۔ آیہ ۳۴۔
۵	کتاب سمیاہ نبی۔	تواریخ دوم۔ باب ۱۲۔ آیہ ۱۵۔
۶	کتاب اخیاہ نبی	تواریخ دوم۔ باب ۹۔ آیہ ۲۹۔
۷	کتاب ناتن نبی	تواریخ دوم۔ باب ۹۔ آیہ ۲۹
۸	کتاب مشاہدات عید و غیب بین۔	تواریخ دوم۔ باب ۹۔ آیہ ۲۹
۹	کتاب اعمال سلیمان۔	سلاطین اول۔ باب ۱۱۔ آیہ ۴۱
۱۰	کتاب یسعیاہ بن اموص	تواریخ دوم۔ باب ۲۶۔ آیہ ۲۲
۱۱	کتاب مشاہدات یسعیاہ بن اموص	تواریخ دوم۔ باب ۳۲۔ آیہ ۳۲
۱۲	سموائیل غیب بین کی تواریخ۔	تواریخ اول۔ باب ۲۹۔ آیہ ۲۹ و ۳۰۔
۱۳	نغمات سلیمان ایک ہزار پانچ۔	سلاطین اول۔ باب ۴۔ آیہ ۳۲ و ۳۳
۱۴	سلیمان کی کتاب خواص نباتات و حیوانات	سلاطین اول۔ باب ۴۔ آیہ ۳۲ و ۳۳۔

۱۵	کتاب امثال سلیمان (یہ تین ہزار امثال اُن سے مختلف ہیں جو موجودہ عہد عتیق میں درج ہیں)	سلاطین اول۔ باب ۴ - آیہ ۳۲
۱۶	جادوغیب بین کی تواریخ۔	تواریخ اول۔ باب ۲۹ - آیہ ۲۹ -
۱۷	مرثیہ یرمیاہ (یہ مرثیہ اس نوحہ یرمیاہ سے مختلف ہے جو بائبل میں درج ہے بقول بشپ ہیٹرک یہ مرثیہ اب گم ہے)	تواریخ دوم۔ باب ۳۵ - آیہ ۲۵ -

ان سترہ کتابوں کے علاوہ اور بھی چند کتابیں تھیں جنہیں صحیح و مستند سمجھا جاتا تھا۔ مگر وہ اب معدوم ہیں چنانچہ بڑے بڑے مسیحی علماء کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ ہمفرڈ صاحب اپنی کتاب "سوالات" مطبوعہ لندن ۱۸۴۳ء میں سوال دوم کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:۔ "یہ کتابیں جنہیں حضرت مسیح علیہ السلام کو ناصری کہا گیا ہے (اور جس کا ذکر مقدس متی نے باب ۲ - آیہ ۲۳ میں کیا ہے) نیست و نابود ہوگئی ہیں اس لئے کہ جو کتابیں نبیوں کی اب موجود ہیں ان میں کسی میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناصری نہیں لکھا ہے۔"

گریز اسٹم صاحب اپنی ہوملی یعنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔ "پیغمبروں کی بہت سی کتابیں ناپید ہوگئیں اس لئے کہ یہودیوں نے غفلت سے بلکہ بیدینی سے بعض کتابوں کو کھو دیا اور بعض کو پھاڑ ڈالا اور بعض کو جلادیا۔"

یہوداہ کے خط (عہد جدید) آیہ ۹ میں لکھا ہے کہ: "جب میکائیل نے شیطان سے تکرار کرکے موسیٰ کی لاش کی بابت بحث کی"۔ ظاہر ہے کہ یہوداہ نے یہ واقعہ توریت ہی سے لیا ہوگا۔ مگر موجودہ توریت میں اس واقعہ کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔

تمطاوس دوم باب ۳ آیہ ۸ میں ہے کہ :- "یاناس اور یمبراس نے موسیٰ کا سامنا کیا" مگر یہ دونوں نام موجودہ عہد عتیق میں کہیں نہیں پائے جاتے۔

یہوداہ نے اپنے خط کی آیہ ۱۴ و ۱۵ میں حنوک کی پیشین گوئی کا جو ذکر کیا ہے وہ آجکل کی توریت میں کہیں مندرج نہیں۔

زبور ۱۰۵ آیہ ۱۸ میں یوسف علیہ السلام کی ہتکڑیوں اور بیڑیوں کا جو حال درج ہے اُس کا بھی توریت میں کہیں ذکر نہیں ہے

تفسیر ڈائلی مطبوعہ ۱۸۵۶ء جلد ۲ صفحہ ۱۳۹ پر درج ہے کہ :-

"اس بادشاہ روشنضمیر یعنی سلیمان نے اُس دانائی کو جو اُس نے پائی انسانوں کے فائدہ کے لئے استعمال میں لانا چاہا اور بہت سی کتابیں اُن کی تعلیم کے لئے لکہیں مگر حضرت عزرا نے اُن میں سے صرف تین کو مقدس کتابوں میں داخل کیا اور بقیہ کتابیں (جو کتب مقدسہ میں داخل نہیں کی گئیں) یا تو مذہبی تربیت کے لئے نہیں لکھی گئیں تہیں یا ایک زمانہ کے گذر جانے کے باعث خراب اور ناقص ہوگئیں تہیں"

نمونہ کے طور پر اس قسم کی صرف چند ہی مثالیں اوپر درج کی گئیں ہیں۔

غرضکہ یہ امر یقینی ہے کہ علاوہ اُن سترہ (۱۷) کتب مقدسہ کے جن کی فہرست دیجا چکی ہے اور بھی مقدس کتابیں ایسی تہیں جن کا کسی زمانہ میں وجود تھا مگر اب عرصہ سے ناپید ہیں۔ ان کتابوں کے الہامی نہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں کم از کم ان کتابوں کا اُتنا ہی الہامی ہونا ضروری ہے جتنا الہامی کہ موجودہ مروجہ کتابوں کا ہونا بیان کیا جاتا ہے کیونکہ کوئی الہامی مصنف اپنی الہامی کتاب میں نہ اُن کتابوں سے استخراج کرسکتا ہے نہ اُن کے حوالے دیسکتا ہے نہ ان کے مضامین کی تصدیق کرسکتا ہے جو کہ الہامی نہ ہوں یا جنکو وہ جہوٹا یا جعلی سمجھتا ہو۔

علاوہ کتب متذکرۂ بالا کے پینتیس (۳۵) کتابیں ایسی ہیں جو کسی زمانہ میں عہد عتیق میں داخل تھیں مگر اب جعلی سمجھی جاتی ہیں۔ اور بائیبل سے خارج کردی گئیں ہیں۔ ان میں سے چند کتابیں ایسی ہیں جنھیں عیسائیوں کے بعض فرقے اتبک مانتے چلے جاتے ہیں اور بعض فرقے نہیں مانتے اور چند کتابیں ایسی ہیں جنھیں بالاتفاق جملہ فرقہائے مسیحی جعلی قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ سب کتابیں عہد عتیق کے یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ یعنی سبعینیہ میں جو ۲۸۴ برس قبل مسیح تیار ہوا تھا موجود ہیں اور یونانی اور رومی کلیسا کے نزدیک مقدس ہیں بلکہ اُن میں سے بعض کی تلاوت بھی اتبک جاری ہے۔ پراٹسٹنٹ کلیسا نے ان کو خارج کردیا ہے اور ان کا نام "اپوکریفہ" یعنی جعلی رکھدیا ہے اگرچہ علمائے یورپ اب بھی اُن کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو برس پیشتر کی تاریخ پر کافی روشنی پڑتی ہے اور تورات وانا جیل کے درمیان یہ کتابیں برزخ کا کام دیتی ہیں ان کتابوں میں سے بعض بعض میں چند ایسے مضامین بھی ہیں جن کا حوالہ قرآن شریف میں پایا جاتا ہے مگر جن کو مروجہ عہد عتیق کی کتابوں سے خارج کردیا گیا ہے یا مبہم طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ آزر سے مناظرہ جو سورہ انعام میں مذکور ہے۔ توریت کی کتاب پیدائش میں کہیں بیان نہیں کیا گیا حالانکہ جعلی قرار دی ہوئی خارج شدہ کتاب جوبلی کی آیہ ۱۲ میں یہ مناظرہ بجنسہ موجود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان "جعلی" کتابوں میں سے بیشتر کتابیں حقیقتاً جعلی ہیں۔ اسکندر کے جانشینوں کے عہد میں جب ایک طرف یہود اپنی آزادی قائم رکھنے کیلئے جدوجہد میں مصروف تھے تو دوسری طرف انہیں یہود کے اندرونی فرقوں میں آپس میں مناظروں اور مناقشوں اور مجادلوں کا بازار بھی گرم تھا اور لوگوں نے اپنے مدعا کے مطابق کتابیں تصنیف کرکے اُن کو انبیائے بنی اسرائیل کے نام سے منسوب کرنا شروع کردیا تھا۔ یہود کی دیکھا دیکھی بعد مسیح نصاریٰ نے بھی یہی روش اختیار کرلی تھی، اور واقعات آئندہ وظہور مسیح کی پیشین گوئیوں سے لبریز کتابوں کا اپنی حسب دلخواہ عبارات میں لکھنا شروع کردیا تھا

یہ جملہ واقعات کھلی ہوئی تفسیر ہیں مندرجہ ذیل آیت قرآنی کی :-

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۔ (البقر - ع ۹) ۔

"پس وائے برحال ان لوگوں کے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ بیچیں اس کو تھوڑے مول پر پس خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھ کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے"

ان سینتیس متروک کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں :-

نمبر	کتب متروکہ	نمبر	کتب متروکہ
۱ تا ۷	کتب سفر شیثؑ ۔	۱۸	کتاب توبٹ
۸	کتاب حنوک ۔	۱۹	کتاب جوڈتھ
۹	کتاب مشاہدات ابراہیمؑ ۔	۲۰	بقیہ ابواب استر
۱۰	کتاب مشاہدات موسیٰؑ	۲۱	کتاب سلیمان کی دانائی ۔
۱۱	کتاب پیدائش صغیر	۲۲	کتاب الواعظ
۱۲	کتاب قیاس موسیٰ	۲۳	کتاب باروق
۱۳	کتاب الوصیت موسیٰ ۔	۲۴	کتاب تاریخ سینا
۱۴	کتاب اسرار موسیٰ ۔	۲۵	تین معصوم بچوں کا نغمہ
۱۵	کتاب معراج موسیٰ ۔	۲۶	تاریخ بربادی بل اور ڈرگن ۔
۱۶	کتاب عزرا نمبر ۱ ۔	۲۷	دعائے منیس شاہ یہودیہ
۱۷	کتاب عزرا نمبر ۲	۲۸	کتاب مقابیں ۔ اول ۔

۲۹ کتاب مقابیں دوم

۳۰ کتاب معراج اشعیاہ

۳۱ ملفوظات حبقوق۔

۳۲ کتاب لموئیل۔

۳۳ کتاب جوبلی۔

۳۴ کتاب حزقیل بابت یروشلم۔

۳۵ کتاب حزقیل بابت صدقیاہ اور بابل۔

بعض عیسائی مصنفین ہی نے انپر تین مندرجہ ذیل کتب کا اور اضافہ کیا ہے۔

۳۶ سموئیل کی وہ کتاب جس کا ذکر سموئیل اول باب ۱۰۔ آیہ ۲۵ میں آیا ہے۔

۳۷ ہوسیاہ جس کا ذکر تواریخ دوم باب ۳۳ آیہ ۱۹ میں آیا ہے۔

۳۸ عیدو نبی کی تفسیر جس کا ذکر تواریخ دوم باب ۱۳۔ آیہ ۲۲ میں آیا ہے۔

متذکرۂ بالا اڑتیس (۳۸) کتابوں کو اول الذکر سترہ گمشدہ کتابوں کے ساتھ شامل کیا جائے تو کل پچپن کتابیں ہوئیں جو کسی زمانہ میں عہد عتیق میں داخل تھیں مگر اب خارج ہیں۔

نسخوں میں اختلاف عہد عتیق کی کتابوں پر سات تباہیاں تو دشمنوں کے ہاتھ سے وارد ہوئیں کہ ہر مرتبہ بائبل ناپید ہوی اور ہر مرتبہ لوگوں نے کچھ حافظہ سے کچھ سن سنا کر کچھ اپنے ذاتی قیاس سے کچھ مصلحت وقت سے جو چاہا لکھ لیا اور اسے بائبل قرار دیدیا۔ آٹھویں تباہی دوستوں یعنی خود یہودیوں ہی کے ہاتھوں عمل میں آئی پچپن کتابوں کو انہوں نے کتب مقدسہ سے خارج کر دیا بعض کو جعلی قرار دیدیا بعض حقیقتاً جعلی تھیں جنہیں ایک عرصہ تک اُنہوں نے کتب مقدسہ میں شامل رکھا اور بعد میں خارج کر دیا۔ اور بعض کو ایسا ناپید کر دیا کہ اُن کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا تھیں اور کیسی تھیں۔ اب اُنتالیس مروّجہ کتابیں جو آج موجود ہیں ان کی بابت کیا اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ کس حد تک معتبر ہیں؟ اول تو ان کے قدیم نسخے ہی مفقود ہیں۔ دوم ان کی جو جدید نقول یسر بھی ہیں اُن میں بکثرت اختلافات ہیں۔ پھر ایسی حالت میں جب قوم میں حفاظ کلام الٰہی تک بھی

وجود نہ ہو اُس کی کتب مقدمہ کے تحریفاتِ لفظی و معنوی سے محفوظ ہونے کے متعلق کیا اطمینان ہو سکتا ہے

قدیم نسخوں کی مفقودی کے متعلق ریورنڈ ہارن صاحب اپنی کتاب دیباچہ علوم بائبل جلد ۲ - حصہ اول باب ۲ فصل اول میں لکھتے ہیں کہ :-

"عہد عتیق کی کتابیں دراصل عبرانی زبان میں ہیں اور وہ دو ناموں سے پکاری جاتی ہیں - ایک آٹو گرافس یعنی وہ کتابیں جن کو خود الہامی لکھنے والوں نے لکھا تھا - اُن میں کے سب نسخے ناپید ہوگئے - کوئی بھی موجود نہیں ہے - دوسرے ایپو گرافس یعنی وہ نسخے جو اصلی نسخوں سے نقل ہوئے تھے اور مکرر سہ کرر نقل ہوتے ہوتے بہت کثرت سے پھیل گئے تھے - یہ پچھلے نسخے بھی دو قسم کے تھے -

(۱) پرانے جو یہودیوں میں بہت معتبر اور سندی گنے جاتے تھے مگر یہ نسخے بھی مدت سے معدوم ہوگئے ہیں -

(۲) نئے جو سرکاری کتب خانوں یا لوگوں کے پاس موجود ہیں - یہ بھی دو قسم کے ہیں - اول رولڈ یعنی وہ قلمی صحیفے جو معابد میں کام آتے ہیں - دوم اسکویر مینو سکرپٹس یعنی وہ قلمی نسخے جو مربع تقطیع پر لکھے ہیں اور عام لوگوں کے کام میں آتے ہیں "

اب ان نسخوں کا بھی حال سن لیجئے بقول ڈاکٹر جان مکڈول کے جن کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ بھی امریکن مشن پریس لدھیانہ سے شایع ہو چکا ہے چھٹی اور دسویں صدی کے درمیان یہودیوں کے دو مدرسے تھے - ایک بابل میں جو مشرق میں ہے - دوسرا ٹائبیریس میں جو مغرب میں ہے - ان دونوں مدرسوں میں یہودیوں کے علم کا بڑا چرچا تھا اور کتب مقدسہ بہت کثرت سے نقل کی جاتی تھیں - اس سبب سے یہودیوں میں کتب مقدسہ کی دو قسمیں ہوگئیں - جو نسخے پہلے مدرسہ

میں مروج تھے اورینٹل ریڈنگ (یعنی مشرقی نسخے) کہلائے اور جو دوسرے مدرسوں میں مروج تھے آکسی ڈینٹل ریڈنگ (یعنی مغربی نسخے) کہلائے۔ آٹھویں یا نویں صدی میں ان دونوں نسخوں کا مقابلہ ہوا اور اُن میں جو اختلافات پائے گئے ان کی تعداد مختلف طور پر (۲۱۰) اور (۲۱۶) اور (۲۲۰) بیان کی جاتی ہے۔ گیارہویں صدی کی ابتدا میں ان دونوں مدرسوں کے فاضل پریسیڈنٹوں نے پھر مشرقی اور مغربی قلمی نسخوں کا مقابلہ کیا۔ اس مرتبہ اختلافات کی تعداد (۸۶۴) نکلی۔ پھر فادر مارن صاحب نے نہایت دلیری سے عبرانی قلمی نسخوں کی غلطیاں ثابت کیں۔ پھر لوئیس کیپل صاحب نے بہت سی غلطیاں نکالیں۔ پھر بشپ والٹن صاحب نے لوئیس کیپل کی تائید کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ عبری عہد عتیق کی تصحیح کے لئے کوئی اچھا قاعدہ بنانا چاہئے۔ سترہویں صدی میں یہ بات عام طور سے قرار پا گئی کہ بغرض تصحیح عبری عہد عتیق کے نسخوں کے ازسرنو مقابلہ کی اشد ضرورت ہے۔ عہد عتیق کی کتابیں پہلی مرتبہ ۱۴۸۸ء میں چھاپی گئیں تھیں جب واندرہوٹن نے ۱۷۰۵ء میں ان کی طبع ثانی کا اہتمام کیا تو آپ سے بارہ ہزار جگہ طبع اول سے اختلاف کرنے کی ضرورت پیش آئی مگر باوجود اس ساری کوشش اور جدوجہد کے جو نتیجہ برآمد ہوا وہ مسیحی علماء سے بھی مخفی نہیں۔ ریورنڈ ہارن صاحب اپنی کتاب جلد اول کے صفحہ ۶۸ پر لکھتے ہیں کہ:- "الحاق کے باب میں یہ قبول کرنا پڑے گا کہ توریت میں الحاقی فقرے موجود ہیں"۔ ان الحاقی اور مشکوک کتابوں سے بالآخر پریشان ہو کر جان کیٹو۔ اپنی انسائیکلو پیڈیا میں لکھتا ہے کہ:- "یہی کافی نہیں کہ جن مقامات کو ہم غلط سمجھیں اُنہیں کو الحاقی مانیں اور باقی کو بلا کم و کاست صحیح جانیں بلکہ ممکن ہے کہ جنہوں نے الحاق کیا ہے اُنہوں نے باقی حصوں میں بھی تصرف کیا ہو"

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (طبع جدید) میں بھی "بائیبل" پر جو مضمون ہے اُس میں لکھا ہے کہ:-

عرصہ دراز تک کتب مقدسہ کا مطالعہ جرح و تعدیل کے مستند اصول سے محروم رہا

یہود محض اُس عبرانی نسخے کی پیروی کرتے تھے جس کی نسبت یہ مشہور تھا کہ غالباً دو دوسری صدی عیسوی میں جمع کیا گیا اور بعد از ان احتیاط سے محفوظ رکھا گیا لیکن اُس نسخہ میں چند تحریفیں تو ایسی ہیں جو اب صاف نظر آتی ہیں اور غالباً ایک کافی تعداد تک ایسی تحریفیں اور بھی موجود ہیں جنکی شاید اب یا کبھی پورے طور سے قلعی نہ کھل سکے۔ عیسائی اور اسکندریہ کے یہود علما کی حالت اس سے بھی بدتر تھی کیونکہ پانچویں صدی عیسوی تک شاذ و نادر اور استثنار کے ساتھ اور پانچویں صدی سے پندرھویں صدی تک بلا استثنار ان بزرگوں نے تمامتر ترجموں ہی پر اکتفا کیا ہے "

ترجمے اب ذرا اس بات پر نظر ڈال لینے کی بھی ضرورت ہے کہ ترجموں نے بائبل کے ساتھ کیا سلوک کیا اور بائبل والوں نے ترجموں کے ساتھ کیا معاملہ برتا۔

بادشاہ مصر بطلیموس فلاد لفوس (۲۸۴ تا ۲۴۷ قبل مسیح) نے اپنے مشہور کتبخانہ اسکندریہ کے لئے کتب عہد عتیق کا یونانی زبان میں ترجمہ چاہا۔ چنانچہ اُس نے زرکثیر صرف کیا۔ اپنے دو عالیقدر مصاحبوں کا وفد یروشلم میں کاہنوں کے سردار کے پاس روانہ کیا کہ وہاں سے وہ کتب مقدسہ کی نقل لاوے اور بہتر[۷۲] یہودی علمار ایسے لاوے جو عبرانی اور یونانی زبانوں پر کافی قدرت رکھتے ہوں تاکہ یونانی زبان میں اُن کتابوں کا ترجمہ کرسکیں۔ وفد کامیاب واپس آیا۔ بہتر[۷۲] علما نے کتب مقدسہ کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا اور اُس ترجمہ کا نام سیپٹواجنٹ (Septuagint) رکھا گیا۔ یہ ترجمہ سب سے زیادہ مستند اور پرانا بیان کیا جاتا ہے مگر اس کے متعلق مفسرین بائبل میں اس درجہ اختلاف ہے کہ۔

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا

بعض لوگ اسے (۷۲) علمار کا ترجمہ بتلاتے ہیں اور بعض صرف (۷۰) ہی علمار کی تعداد بیان
کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ (۲۰۰) برس قبل مسیح یہ ترجمہ ہوا۔ بعض (۲۷۰) برس بعض (۲۸۵ یا ۲۸۶)
برس اور بعض (۳۰۰) برس قبل مسیح اس کا ہونا بیان کرتے ہیں۔ پھر ان ستر یا بہتر علمار کے نام
تک سے بھی کوئی واقف نہیں چہ جائیکہ اُن کے حالات، فضیلتِ علمی اور تقوے سے کوئی واقف
ہو۔ مزید برآں جن صورتوں اور حالات میں اس ترجمہ کا کیا جانا ظاہر کیا جاتا ہے اُس میں بھی سخت
اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ (۷۲) علمار نے (۷۲) دن میں اس ترجمہ کو پورا کر دیا۔ بعض کہتے ہیں
کہ (۷۰) علمار کو علیحدہ علیحدہ بند کر دیا گیا۔ اُنھوں نے علیحدہ علیحدہ ترجمہ کیا اور بعد میں جب مقابلہ
کیا گیا تو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً سب باہم مطابق نکلے۔ بعض کہتے ہیں کہ (۷۲) عالموں سے دو دو
کو (۳۶) مکانوں میں بند کر دیا گیا۔ ہر مکان میں پہلے دونوں عالم الگ الگ ترجمہ کرتے تھے پھر
آپس میں مقابلہ اور بحث کے بعد اپنے ترجموں میں تطبیق دے لیتے تھے۔ اس طرح (۳۶) ترجمے تیار
ہوئے اور مقابلہ کیا گیا تو سب لفظاً اور حرفاً مطابق نکلے۔ بعض کا قول ہے کہ سارے علما الگ
ترجمہ کرتے تھے۔ پھر آپس میں ملتے تھے اور ترجموں کا مقابلہ کرتے تھے اور بحث کرکے صحیح بات ٹھیراتے
تھے۔ اور اسے ڈی تروس کاتب سے لکھوا لیتے تھے۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ یہ ترجمہ متفرق لوگوں نے
متفرق طور پر مختلف اوقات میں کیا۔ ریورنڈ ہارن صاحب فرماتے ہیں کہ "اس انبار کذب میں
ایک سچ دبا ہوا ہے جو بہ آسانی تحقیق نہیں ہو سکتا۔ پس ہمکو جائز ہے کہ ان روایتوں میں سے ایک
کی طرف بھی التفات نہ کریں۔" پھر اس ترجمہ کے متعلق ہارن صاحب نے صاف لکھدیا ہے کہ "
اس نامہ کی سچائی پر بڑی گفتگو ہے جعلی ہونے کی صورت میں بھی یہ جعل بہت پرانا ہے۔ کیونکہ مورخ
جوسیفس نے بھی اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ سترہویں اٹھارویں صدی سے قبل اس نامہ
کی سچائی پر گفتگو نہ تھی۔ مگر سترہویں اٹھارویں صدی میں اس کی سچائی پر بڑی گفتگو ہوئی اور

ہمارے جمہور علماء کا اس کے جعلی ہونے پر اتفاق ہوگیا۔

سریانی زبان میں بھی ایک ترجمہ جو پشیٹو (Peshito) کے نام سے مشہور ہے نہایت قدیم سمجھا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا ترجمہ ہے بعض اسے جروم صاحب کا ترجمہ تبلاتے ہیں۔ بعض اسے زمانہ آسا سے متعلق کرتے ہیں جو کہ سامریوں کا پرنسٹ تھا۔ بعض اسے تہدیس حواری کے زمانہ کا قرار دیتے ہیں۔ سریا کے گرجوں میں اس آخری روایت ہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر زمانہ حال کے نکتہ چین حضرات اس کو قریبی زمانہ ہی کا قرار دیتے ہیں بشپ والٹن اور کارپ روز صاحب اور سیوسٹڈن صاحب اور بشپ لوتھا اور ڈاکٹر کنی کاٹ اسے اول صدی عیسوی کا ترجمہ قرار دیتے ہیں۔ بابر صاحب اور چند دیگر جرمن علماء اسے دوسری یا تیسری صدی کا کہتے ہیں۔ اور ڈراسی صاحب اسے بہت قدیم تبلاتے ہیں مگر کوئی تاریخ نہیں مقرر کرتے۔ اس ترجمہ میں زبور کی ابتداء میں جو تمہید دی گئی ہے وہ نہایت واضح طور پر کسی عیسائی کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ترجمہ عبرانی سے سریانی میں ہوا۔ اور ترجمہ کا یہ انداز دیکھکر جینن صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ایک شخص کا کیا ہوا نہیں ہے بلکہ متعدد اشخاص کا کیا ہوا ہے۔

جو ترجمے کہ نہایت قدیم معتبر اور مشہور شمار ہوتے ہیں۔ ان کی یہ کیفیت ہے کہ نہ اُن کے زمانہ کا کچھ ٹھیک ہے نہ ترجمہ کرنے والوں کا صحیح حال کسی کو معلوم ہے جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے سب اٹکل سے نہ کسی قول کی تائید میں کسی کے پاس کوئی ثبوت ہے کسی بات پر یقین کرنے کے لئے کوئی دلیل تعین زمانہ میں جو اختلافات واقع ہوئے ہیں وہ دس بیس سال نہیں بلکہ سینکڑوں برس کا تفاوت ظاہر کرتے ہیں مثلاً سریانی ترجمہ پشیٹو کے بارہ میں سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر دوسری اور تیسری صدی عیسوی تک کا تفاوت ظاہر ہو رہا ہے اور زبور کی عیسائی تمہید پر غور کیا جائے تو یہ تفاوت دو چار سو برس کا نہیں بلکہ بارہ تیرہ سو برس کا ہو جاتا ہے۔ باوجود اس کے سبیٹو اجنٹ یعنی یونانی ترجمہ نسخہ

سبعینیہ نے وہ مقبولیت حاصل کی کہ عبادت خانوں میں بجائے عبرانی توریت کے اسی کی تلاوت ہونے لگی اور صدیوں تک ہوتی رہی۔ دوسری زبانوں میں ترجمے اصل عبری سے نہیں بلکہ اسی یونانی نسخے سے ہونے لگے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں نے ترجمہ سبعینیہ سے پیشینگوئیاں نکال نکال کر یہودیوں پر رسالت مسیح ثابت کرنی شروع کی تو یہود چیخ اٹھے اور کہنے لگے کہ یہ ترجمہ معتبر نہیں۔ چنانچہ اس کے بعد چند یہودیوں نے ایک ترجمہ کرنے پر کمر باندھی۔

ان چند یہودیوں میں کے پہلے شخص کا نام اقویلہ تھا۔ یہ یہودی تھا عیسائی بن گیا تھا۔ بعد میں عیسایت سے منحرف ہوکر پھر یہودی ہوگیا۔ اس نے نسخہ سبعینیہ پر یہ اعتراض کیا کہ یہ ترجمہ لفظی نہیں چنانچہ ۱۲۹ء میں اپنی طرف سے ایک "لفظی ترجمہ" بھی پیش کردیا۔ اس کے بعد دوسرے یہودی تہیودوشن نے اقویلہ کے ترجمہ کو یہ کہکر رد کردیا کہ یہ فقط لفظی ترجمہ ہے۔ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ بامحاورہ ترجمہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ۱۷۵ء میں اس نے بامحاورہ ترجمہ کیا۔ یہ شخص دراصل ملحد تھا یہودی بن گیا تھا پھر تیسرا شخص میدان میں آیا جس کا نام سمکوس تھا اور اس نے تہیودوشن سے بھی زیادہ آزادی کے ساتھ ایک "بامحاورہ ترجمہ" کرکے ۲۰۰ء میں پیش کردیا۔ یہ شخص پہلے سامری تھا۔ پھر یہودی ہوگیا تھا۔ بقول مسٹر چارلیز ڈارمین کے اس شخص نے اپنے ترجمہ میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کی درپردہ اہانت کی ہے۔

اب نسخہ سبعینیہ یہودی عبادت گاہوں سے نکالا گیا اور اس کی جگہ ان تینوں جدید ترجموں نے لی۔ آگے چلکر ان ترجموں کی نقلوں میں بھی اختلاف ہونے لگا۔ اور مختلف ترجموں کی عبارتیں آپس میں خلط ملط ہوگئیں۔

اس حالت کو دیکھکر اوریجن نے ۲۳۱ء میں ایک کتاب تیار کی جس کا نام ہیکسیپلا:۔ (Hexapla) رکھا۔ مسٹر چارلیز ڈارمین لکھتے ہیں کہ۔ "اس کتاب میں چھ خانے رکھے گئے

پہلے خانہ میں عبری کو عبری حرفوں میں دوسرے خانہ میں عبری کو یونانی حرفوں میں تیسرے خانہ میں ترجمہ اقویلہ۔ چوتھے خانہ میں ترجمہ تمکوس پانچویں خانہ میں ترجمہ سیپٹواجنٹ۔ اور چھٹے خانہ میں ترجمہ تھیودوشن کو درج کیا۔ اور جہاں سیپٹواجنٹ میں توضیح کے لئے کوئی لفظ دوسرے ترجموں سے لیکر بڑھایا گیا وہاں * ایسا نشان بنادیا گیا۔ اور جو لفظ اصل عبری میں نہ تھا وہاں + یہ نشان بنادیا گیا اور دو نشان ایسے ÷ + بھی اُس نے اپنی کتاب میں بعض بعض مقامات پر بنائے تھے مگر معلوم نہ ہوسکا کہ ان سے اُس کا کیا مقصد تھا" اس کتاب کے مرتب کرنے میں اُس کے (۲۸) سال صرف ہوے۔ بعد میں دو یونانی ترجمے اُسے اور دستیاب ہوگئے جنہیں شامل کر کے اُس نے اپنی کتاب کو آٹھ خانوں والی بناکر اس کا نام آکٹیپلا (Octapla) رکھدیا۔

اُس کے مولف اوریجن (Origen) کے متعلق اردو تواریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۷۰ء کے صفحہ ۶۷ پر درج ہے کہ :- "اوریجن کے باب میں اختلاف ہے۔ ایک فریق تو اُسے علم دین میں بڑا عالم تصور کرتا ہے۔ اور دوسرا فریق اُسے اریس اور دیگر بڑے بڑے ملحدوں اور بدعتیوں کی اصل ٹھیرا کر لعنت دیتا ہے۔ بہت باتوں میں وہ پُرخطا عالم اور خطرناک ہادی ثابت ہوا"۔ یہ وہی اوریجن ہیں جن کی رائے کے بموجب مذہبی بحث میں عیسائیوں میں جھوٹی دلیلیں پیش کرنا ثواب ٹھیرایا گیا (دیکھو وہی تواریخ کلیسا صفحہ ۹۰) اور اسی ضمن میں وہ جعلی تصانیف بھی وجود میں آئیں جو بکثرت لکھی گئیں۔ یہ وہی اوریجن ہیں جن کے نام سے بُت پرست بھی اپنی کتابیں مشہور کرتے تھے (دیکھو نارتھ انڈیا ٹریکٹ سوسائٹی کی کتاب "طلوع آفتاب صداقت" مطبوعہ مرزاپور ۱۸۶۱ء صفحہ ۲۲۳)۔

اس تالیف میں اوریجن نے تین کام کئے۔ (۱) ترجمہ کیا۔ (۲) مختلف ترجموں کا مقابلہ کیا۔ (۳) تفسیر کی۔ یورپین مصنفین بکثرت اس جانب گئے ہیں کہ تفسیر میں اُس سے بہت غلطیاں ہوئیں اور وہ عبرانی زبان میں وقوف کامل نہ رکھتا تھا۔ مضامین توریت کی شرح اُس نے اپنی ہی عجیب الخیالی

کے مطابق کی ہے۔ اُس پر توہمات کا غلبہ تھا۔ اور اسی کے تحت میں وہ تفسیر کرتا تھا۔ بکثرت غلطیاں کھاتا تھا اور بقول ریورنڈ ہارن کے جہاں غلطی کھاتا تھا ایسی کھاتا تھا کہ کبھی کسی نے نہیں کھائی۔ ہارن صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اوریجن کی کتاب کی بار بار نقلیں ہوئیں۔ اور اس بے احتیاطی سے نقلیں ہوئیں کہ دو چار ہی برس میں جو امتیازی نشانات اوریجن نے اپنی اصلی تالیف میں لگائے تھے وہ جاتے رہے اور علامات اختلافات ترجمہ و تفسیر ترک کر دئیے گئے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اصل ترجمہ اور عبارات تفسیر میں امتیاز اٹھ گیا اور اصل و زوائد کی شناخت ناممکن ہوگئی۔ آیندہ کے لئے بھی کوئی امید نہ رہی کہ ان ترجموں میں حق کو باطل سے جدا کر دیا جائے کیونکہ یہ صورت اب محال ہوگئی ہے۔

قسطنطین رومی کے عہد میں جب دین عیسوی شاہی مذہب قرار پایا تو پاپائے روم دماسس نے ۳۸۳ء میں سینٹ جروم (S T. Jerome) کو توراۃ و اناجیل کا رومی زبان میں ایک مستند ترجمہ مرتب کرنے کے لئے مقرر کیا چنانچہ ۳۹۴ء میں اس نے اپنا رومی ترجمہ پیش کیا جو ولگیٹ (Vulgate) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس بیچارے نے اپنی طرف سے بہت کوشش کی کہ ترجمہ صحیح اور قابل اعتماد ہو مگر وہ کیا کرتا اور کیا کر سکتا تھا۔ کتب مقدسہ کے اصلی اور صحیح نسخے مفقود تھے مروجہ نسخے غلطیوں سے پر تھے اور بقول ہارن صاحب کے اس زمانہ میں ناممکن ہوگیا تھا کہ صحیح اور الحاقی عبارات میں امتیاز ہو سکے۔ ابتداءً کلیساؤں نے اس ترجمہ کو معتبر نہ سمجھا مگر بعد میں کلیسائے روم نے اسے قبول کر لیا اور کونسل آف ٹرینٹ (Council of Trent) نے اسے "مستند" قرار دیدیا۔

تواریخ کلیسا مطبوعہ بیپٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۸۴۹ء کے صفحہ ۱۱۴ پر لکھا ہے کہ: "جروم کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ اُس نے کتاب مقدس کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ ۳۸۴ء سے ۱۵۰۰ء تک مغربی کلیساؤں میں کرسٹان خاصکر اسی ترجمہ سے کتاب مقدس کا مطلب سمجھتے تھے کیونکہ اُن ملکوں میں

لوگ یونانی اور عبرانی نہیں جانتے تھے"۔ کتاب سوال وجواب مترجمہ پادری یونس سنگھ اور پادری والش صاحب مطبوعہ آلہ آباد مشن پریس ۱۸۶۴ء کے صفحہ ۲ پر سوال ۸ کے جواب میں لکھا ہے کہ :" ایک بزرگ قسیس جروم نامی نے سنہ عیسوی چارسو کے قریب قریب یہ ترجمہ (یعنی لاطینی ترجمہ ولگیٹ) کیا۔ یہ ترجمہ بہت جلدی میں کیا گیا۔ اور بہت سی تبدیلیوں کے باعث سے بگڑ گیا"۔ پادری ٹامسن صاحب لکھتے ہیں کہ اگرچہ جروم کے ترجمہ کی متعدد بار اور مختلف اوقات میں نظر ثانی ہوئی لیکن اس کا ترجمہ ناقص ہی رہا

عہد عتیق کا ایک ترجمہ جرمنی زبان میں بھی ایک یہودی عالم جی کتہل ابن اسحق ملبڑانے کیا جو ۱۶۷۶ء میں اسٹرڈیم میں طبع ہوا۔ مگر کار تھولٹ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا ترجمہ کرنے والا خدا کو برا کہنے والا اور فریبی تھا جس نے مسیح کے متعلق چند پیشنگوئیوں کو چھپا دیا۔

علاوہ بریں شامی قبطی حبشی اور آرامی زبانوں میں بھی عہد عتیق کے ترجمے ہوئے مگر جو شہرت کہ مندرجہ بالا ترجموں کو حاصل ہوئی وہ ان کے حصہ میں نہ آئی۔

بائبل کا آخری انگریزی ترجمہ جو آجکل مروج ہے بادشاہ جیمس کی بائبل (King James. Bible) کہلاتا ہے۔ یہ بادشاہ ۱۶۰۳ء میں انگلستان کے تخت پر بیٹھا۔ ۱۶۰۴ء میں ہیمپٹن کورٹ کانفرنس (Hamptoncourt Conference) منعقد ہوئی جس میں ہر مذہبی گروہ اور فرقہ کے نمائندے شریک ہوئے اور خود بادشاہ صدر بنا۔ علاوہ مذہبی اختلافات کے دیگر مسائل کے جو اس کانفرنس میں پیش ہوئے۔ اس زمانہ کی مروجہ بائیبلوں پر بھی بکثرت شدید اعتراضات پیش کئے گئے۔ بادشاہ جیمس نے حکم دیا کہ ایک نیا ترجمہ تیار کیا جائے چنانچہ نیا ترجمہ تیار کیا گیا اور اسی بادشاہ کے نام سے منسوب ہوا۔ یہی انگریزی ترجمہ کل انگریزی بولنے والی اقوام میں رائج ہے۔ مگر کچھ عرصے سے اس مشہور ترجمہ پر بھی نہایت شد و مد سے اعتراضات ہو رہے ہیں اور یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ اصل سے مطابق ہونے اور خوبی عبارت

میں یہ ترجمہ ناقص ہے اور مشکوک ہے اور غلط ہے یہانتک کہ بڑے بڑے اور اہم امور میں بھی یہ صحیح نہیں اس ترجمہ کے سب سے بڑے دشمن ڈاکٹر گڈس اور جان بیلی اور سر جیمس بلینڈ ہیں۔ انہوں نے اپنی طول طویل تحریروں میں ترجمہ پر سخت اعتراضات کئے ہیں اُس میں غلطیاں نکالی ہیں اور ایک نئے ترجمہ کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ جان بیلی صاحب نے تو اپنی تحریر میں جسے انہوں نے ۱۸۱۸ء میں شایع کیا اس بات کا صاف اقرار کیا ہے کہ ۱۶۱۱ء سے اصل عبرانی متن سے کوئی ترجمہ نہیں ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ چوتھی صدی میں سینٹ جروم نے یونانی ترجمہ سے اپنا رومی ترجمہ کیا۔ اور ان کے رومی ترجمہ سے رومی ولگٹ مرتب ہوا اور رومی ولگٹ سے یورپ کی تمام بقیہ زبانوں میں ترجمے ہوئے اس تقریر سے وہ بائیبل کے ترجموں کی غلطیوں کی ہمیشگی ثابت کرتے ہیں۔

ہر چند سال کے بعد پادریوں کی کیڈبال ہوتی ہیں۔ کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ اور جیمس بائیبل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس بائیبل پر نظر ثانی بھی ہوئی اور ریوائزڈ ورشن (Revised version) عہد جدید کا ۱۸۸۱ء میں اور عہد قدیم کا ۱۸۸۵ء میں طبع بھی ہوا مگر اصلی جیمس بائیبل کے عام اقتدار میں ابھی تک کمی نہیں واقع ہوی اور وہ لوگوں کی نگاہ میں اپنی جگہ پر برقرار ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جہاں اصل ہی کا وجود مفقود ہوگیا ہو وہاں ترجموں کی صحت کا اہتمام کیونکر ممکن ہے۔

مسلمانوں کیلئے سبق ان عبرتناک واقعات میں مسلمانوں کے لئے ایک سبق ہے۔ لوگوں کا اپنی کتب سماوی کی اصلی زبان سے بے تعلق اور اجنبی رہنا اور محض ترجموں میں الجھے رہنا صحیح ہیئت کی برقراری کے لئے مہلک ہے۔ جہانتک کتب سماوی کا تعلق ہے حفاظت مذہب دو چیزوں کی متقاضی ہے تحفظ الفاظ اصلی و تحفظ معنی۔ مسلمانوں میں تحفظ الفاظ اصلی کی اہم خدمت قرآن کے حافظوں کی جماعت انجام دے رہی ہے اور تحفظ معنی کی مفید تر خدمت کے لئے ہر ملک میں جہاں

مسلمان بستے ہوں اور ہر زمانہ میں قابل علمار کی ایک معتبر جماعت کی ضرورت ہے جو اس زبان میں بھی کامل دستگاہ رکھتے ہوں جس میں قرآن نازل ہوا اور اس زبان پر بھی پوری قدرت رکھتے ہوں جو اس ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

خدا ان مسلمان علمار کو اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے ہمیشہ اس امر پر زور دیا کہ قرآن شریف کا ترجمہ لازمی طور پر عربی متن کے ساتھ شائع کیا جائے۔ کتب مقدسہ کے ترجموں کو متن سے معرا کرکے چھاپنا نہایت مخدوش نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے ترجمہ کبھی اصل کی برابری نہیں کرسکتا بالخصوص کتب منزل من اللہ کا ایسا ترجمہ جس میں اصلی زبان کی خوبی پیدا ہو محال ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا کی رو سے عربی کو قرآن کے ساتھ نہایت قوی اور مستقل تعلق ہے۔ دراصل قرآن وہی ہے جو عربی زبان میں نازل ہوا۔ کسی اور زبان میں اس کے مطالب و معانی کا بیان قرآن نہیں بلکہ قرآن کا ترجمہ یا قرآن کی تفسیر ہے۔ نہایت متبرک اور قابل قدر ہیں وہ لوگ جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، قرآن کو حفظ کرتے ہیں، قرآن کے دور کرتے رہتے ہیں، قرآن کے تحفظ الفاظ میں کوشاں رہتے ہیں اور اس میں ایک زبر ایک زیر ایک شوشہ تک کا تغیر نہیں ہونے دیتے۔ نہایت برکت والے ہیں وہ لوگ اگرچہ وہ یا ان میں سے بعض قرآن کے معنی پر عبور نہ رکھتے ہوں۔ معنے کے سمجھنے سے وہ صرف اپنی ذات کو برکات معانی سے محروم رکھتے ہیں مگر امت محمدیہ کی ایک بہت بڑی خدمت ضرور انجام دیتے ہیں اور بقدر اس خدمت کے ثواب کے یقینی مستحق ہیں۔ معانی کی اہمیت سے انکار نہیں بلکہ جن الفاظ پر ان معانی کا دار و مدار ہے ان کے تحفظ کی اہمیت سے یہاں بحث ہے۔ مزید برآن ایک بات اور بھی ہے جس کے سننے کا ہر شخص اہل نہیں۔ کیونکہ پیام محبوب کی صورت ملفوظی میں ازخود رفتگی پیدا کرنے والی جو خوش ادائیاں ہوتی ہیں ان سے افسوس ہے کہ وہ قلوب آشنا نہیں ہوسکتے جنہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کی بزم الفت تک ابھی رسائی نہیں۔ (باقی)